افسانہ
سباس گل
کڑوی روٹی

افسانہ

کڑوی روٹی

''عظمٰی بی بی! انسانیت کی باتیں صرف کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں ورنہ انسانیت اس معاشرے میں آخری سانسیں لیتی سب کو دکھائی اور سُنائی دے رہی ہے لیکن اس انسانیت کو بچانے کے لیے کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا سب......

حال سے جُڑا ایک خاص خیال، افسانے کی صورت

''پتا ہے لاش پانی پہ کیوں تیرتی ہے؟'' سلمان نے نہر کی سطح پر تیرتی ہوئی جوان لڑکی طاہرہ کی لاش کو دیکھتے ہوئے اپنے برابر میں کھڑی ساتھی ٹی وی چینل رپورٹر عظمٰی سے سوال کیا۔ وہ سوالیہ نظروں سے سلمان کو دیکھنے لگی تو سلمان نے خود ہی جواب دیتے ہوئے کہا۔

''کیونکہ ڈوبنے کے لیے زندگی چاہیے؟''
''تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ یہ مرچکی ہے؟''
''ہاں۔'' سلمان کی نظریں اپنے کیمرے کے ذریعے اب اُس لڑکی کو نہر سے باہر نکالے جانے کی کارروائی کی کوریج کر رہی تھیں۔
''مطلب اس لڑکی کی مشکل تو آسان ہوگئی نا۔''

مرنے والوں پہ سیف حیرت کیوں
موت آسان ہوگئی ہوگی

سلمان نے ٹی وی کیمرے کے سامنے یہ شعر پڑھا۔
''آج غربت نے ایک اور زندگی کو نگل لیا۔ بھوک اور افلاس نے ایک اور زندگی کو کھالیا۔ طاہرہ اور اُس کے گھر والے گزشتہ تین دن سے فاقے کر رہے تھے اپنے ننھے منے بہن بھائیوں اور بیمار ماں، بے روزگار باپ کو دو وقت کی روٹی کھلانے کے لیے طاہرہ نے کام کی تلاش میں گھر سے قدم باہر نکالا تو اُسے اپنی عزت اور عزتِ نفس دونوں ہاتھ سے جاتی ہوئی نظر آئیں اور ان حالات سے دلبرداشتہ ہو کر اُنیس سالہ طاہرہ نے نہر میں کود کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے جس ملک میں 67 سال بعد بھی عوام روٹی کے لیے روتے اور مرتے ہوں وہ ملک کس صدی میں ترقی کی منازل طے کرپائے گا؟'' کیمرہ مین انیس ڈوگر کے ساتھ سلمان احمد۔
اس کے ساتھ ہی کیمرہ کلوز ہوگیا۔ لڑکی کی لاش ایمبولینس میں اسپتال کی جانب روانہ کردی گئی تھی۔
''اُس لڑکی کے گھر والے اب کیا کریں گے؟'' عظمیٰ نے افسردگی سے کہتے ہوئے اُونچے، لمبے، ہینڈسم سے سلمان احمد کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی اور اب بولا تھا تو، لہجہ انتہائی سرد اور برفیلا تھا۔
''شکر ادا کریں گے۔''
''اُس کے مرنے پر؟'' عظمیٰ نے حیرت سے پوچھا۔
''اُس کے مرنے پر ہفتے بھر محلے داروں کی طرف سے جو کھانا گھر میں آئے گا اُن کی کئی دنوں کی بھوک مٹائے گا، اُس پر شکر ہی تو ادا کریں گے وہ بے چارے کہ چلو طاہرہ کے مرنے پر ہی سہی انہیں چند روز کے لیے پیٹ بھر کے کھانا تو ملا۔'' سلمان کا لہجہ پتھریلا تھا۔ عظمیٰ کو حیرانی ہو رہی تھی۔ اُس نے پوچھ بھی لیا۔
''کیا واقعی ایسا ہے؟ کیا انہیں طاہرہ کے مرنے کا غم نہیں ہوگا؟''
''مگر بھوک مٹتی دیکھ کر طاہرہ کی موت کا غم کم ہوگا اور جلد ہی ختم بھی ہوجائے گا۔ روٹی سے بڑا کوئی رشتہ نہیں ہے آج کے دور میں۔ پیٹ بھرا ہو تو رشتوں کا احساس اور محبت کا جذبہ بھی ٹھاٹھیں مارتا ہے اور جب پیٹ ہی نہ بھرا ہو تو سگے بہن بھائی، نظر بھر کے ایک دوسرے کی شکل تک نہیں دیکھتے۔'' سلمان احمد نے نہایت سنجیدہ، تلخ اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔
''اُف تم تو بہت بھیانک نقشہ کھینچ رہے ہو ان غریبوں کے حالات کا، جوان موت کا دکھ کسے نہیں ہوتا۔ ہمیں بھی اُس لڑکی کی اس خودکشی کا افسوس ہے، دُکھ ہے حالانکہ ہمارا اُس سے کوئی رشتہ نہیں ہے سوائے انسانیت کے۔'' عظمیٰ نے اُس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔
''عظمیٰ بی بی! انسانیت کی باتیں صرف کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہیں ورنہ انسانیت اس معاشرے میں آخری سانسیں لیتی سب کو دکھائی اور سُنائی دے

رہی ہے لیکن اِس انسانیت کو بچانے کے لیے کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا۔ سب کو اپنی پڑی ہے اور رہی بات ہمارے افسوس اور دُکھ کی تو ہم سوائے افسوس کرنے اور دُکھ کا اظہار کرنے کے کر بھی کیا کر سکتے ہیں...... اور جانتی ہو یہ افسوس اور دُکھ بھی ہم اِس لیے کر رہے ہیں کیونکہ ہمارے پیٹ بھرے ہوئے ہیں۔ ہمیں روٹی تینوں ٹائم مل جاتی ہے لہٰذا ہم فرصت سے افسوس کر سکتے ہیں۔ تم نے اُس لڑکی کے گھر والوں کے چہرے دیکھے تھے۔''

''ہاں دیکھے تھے۔'' عظمیٰ نے کہا۔

''برسوں کی قحط سالی ٹپک رہی تھی اُن کے چہروں سے، مکھن، گھی کیا ہوتا ہے یہ تو لگتا ہے کہ اُن کو معلوم بھی نہ ہوگا۔ سُوکھے بدن، اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں، خشک گلے، سوکھے حلقوم، پیٹ بھرنے جتنی روٹی انہیں میسر ہے نہ علاج کے لیے پیسا۔ ایسے میں ایک جی (فرد) کا بوجھ کم ہوگیا ہے۔ کفن دفن بلدیہ والے، محلے والے چندہ ڈال کر دیں گے۔ غربت کی تو موت بھی قرض لے کر قبر تک اُترتی ہے۔ چند دن گھر میں کڑوی روٹی آتی رہے گی اور کسی وزیر کے ذریعے دو، چار لاکھ روپے کا چیک بھی مل جائے گا طاہرہ کے گھر والوں کو۔ یوں سمجھو کہ طاہرہ کے گھر والوں کی تو چاندی ہوجائے گی اُن کے دلدّر دُور ہوجائیں گے۔ ایک ڈیڑھ سال تو خوب عیش و آرام سے گزر جائے گا۔ کڑوی روٹی کھانے کے بعد جب انہیں پیٹ بھر کے میٹھی اور روغنی روٹی کھانے کی عادت پڑ جائے گی تو وہ پیسا ختم ہوجائے گا۔''

''ضروری تو نہیں ہے کہ وہ پیسا کھا پی کے ختم کر دیں۔ پانچ لاکھ کا اعلان تو وزیرِاعلیٰ نے کیا ہے اور پانچ لاکھ میں کوئی چھوٹا موٹا کام تو شروع کیا جاسکتا ہے۔ جیسے کے کریانے یا پرچون کی دکان کھولی جاسکتی ہے اور ایک مستقل آمدن کا ذریعہ بن سکتا ہے۔'' عظمیٰ نے کہا۔

''ہاں مگر انہیں اتنی عقل کون دے؟'' سلمان احمد نے سنجیدہ لہجے میں تلخی سے کہا۔

''اِن لوگوں کی سائیکی بھی ایسی ہی ہوتی ہے جو مال آیا، کھایا، پیا ڈکار لیا۔ بُرے وقت کے لیے کچھ (بچت) نہیں کرتے۔''

''کچھ بچے تو Save کریں ناں۔'' عظمیٰ بولی۔

''اگر آ جائے تو اِن سے سنبھلتا بھی نہیں ہے۔ مفت کی کھانے کی عادت پڑ جائے تو کمانے اور کر کے کھانے کی عادت نہیں رہتی۔ سستی، کاہلی، کام چوری، طبیعت کا حصہ اور مزاج کا خاصا بن جاتی ہے۔ مانگ کر کھانا بہت آسان لگتا ہے۔ پھر کچھ بھوک اور فاقوں کے ستائے ہوئے لوگ یہ بھی سوچنے لگتے ہیں کہ اب گھر کا کوئی اور ''جی'' (فرد) مر جائے تو گھر میں کڑوی روٹی آئے اور وہ پیٹ بھر کے کھانا کھائیں۔''

سلمان احمد نے سپاٹ اور تلخ لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی کی سیٹ سنبھال لی۔

''خیر اب اتنی بے حسی بھی نہیں ہے۔'' عظمیٰ نے فرنٹ سیٹ پر اُس کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں ہے؟'' سلمان احمد نے اُس کی صورت کو دیکھا۔

''کیا تمہیں آئے دن یہ مناظر دیکھنے کو نہیں ملتے کہ غربت اور فاقوں سے تنگ آ کر ماں باپ اپنے بچے، اپنے جگر گوشے تک بیچنے بازار میں کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگ اپنے سگے بچوں کو بیچ رہے ہوتے ہیں۔ کس لیے؟ بھوک مٹانے کے لیے، چند پیسے کمانے کے لیے اور جن گھروں میں مسلسل غریبی، مفلسی اور بھوک نے ڈیرے ڈال رکھے ہوں نا اُن گھروں میں کسی موت پر اتنا ماتم نہیں کیا جاتا جتنا واویلا بھوک اور فاقے پر، روٹی نہ ملنے پر مچایا جاتا ہے۔'' وہ محتاط انداز میں گاڑی ڈرائیو

کررہا تھا۔

''کڑوی روٹی کتنے دن چلتی ہے اور کیا کڑوی روٹی سے پیٹ بھر جاتا ہے؟'' عظمیٰ سنجیدگی سے سوال کررہی تھی۔

''پیٹ تو بھر جاتا ہے پر نیت نہیں بھرتی اور جنہوں نے طویل غربت کاٹی ہو، لمبے فاقے جھیلے ہوں اُن کی بھوک آسانی سے نہیں مٹتی، اُن کی نیت اتنی جلدی نہیں بھرتی۔ وہ دنوں کے فاقے لمحوں میں ختم کرنا چاہتے ہیں۔ پر نہیں کر پاتے کیونکہ یہ جو نیت ہے یہ بڑی زورآور شے ہے۔ نیت میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ نیت اگر بُری ہو تو...... بڑی ہی کُتی ہے۔ آن، بان، شان، جان، ایمان، دسترخوان کہیں کچھ نہیں چھوڑتی، آن، آبرو، عزت کی بوٹیاں نوچتی ہے، لوٹتی ہے۔ جان تک لے لیتی ہے اور اگر نیت اچھی ہو تو...... جان، آن، ایمان، مان سب قائم رہتے ہیں، اور رشتے بھی احساس بھی...... پھر پیٹ نہ بھی بھرا ہو تو بھی نظر سیر رہتی ہے یہ احساس ہی بہت ہوتا ہے کہ جان، آن، ایمان، رشتے سب سلامت ہیں۔ رزق کا وعدہ تو اللہ نے کر رکھا ہے نا تو روٹی تو مل ہی جاتی ہے پر مرجائیں تو پیچھے رونے والا کوئی نہیں ملتا۔''

سلمان احمد نے گاڑی طاہرہ کے گھر کے قریب لاکر روک دی۔ وہ دونوں گاڑی سے اُتر کر طاہرہ کے گھر میں داخل ہوئے۔ اندر کا منظر سلمان احمد کی باتوں کی عکاسی پیش کررہا تھا۔ طاہرہ کے پانچ بہن بھائی برآمدے میں بیٹھے کھانا کھارہے تھے۔ اُن دونوں کو دیکھ کر روٹیاں اور سالن کا ڈونگا اُٹھا کر برآمدے سے ملحق باورچی خانے میں گھس گئے۔

طاہرہ کی ماں کھسیانی سی ہوکر اپنا منہ چادر سے صاف کرتی اُٹھ کر اُن کی طرف آئی۔

''یہ سب کیا ہے ناصرہ بی بی! یہ کھانا کہاں سے آیا؟'' عظمیٰ نے طاہرہ کی ماں سے حیرانگی کے عالم میں پوچھا۔

''وہ جی...... پڑوس سے آئی ہے کڑوی روٹی۔'' ناصرہ نے بتایا۔ اُس کے چہرے پر سنجیدگی، تھکن اور غربت تو جھلک رہی تھی مگر جوان بیٹی کی خودکشی کا غم اور دُکھ عظمیٰ کو کہیں نظر نہ آیا۔ شاید وہ بھی پیٹ بھر کے روٹی کھانے کی وجہ سے اب اچھا محسوس کررہی تھی۔ عظمیٰ کو سلمان احمد کی باتیں سچ معلوم ہورہی تھیں۔

''کڑوی روٹی، لیکن ابھی تو طاہرہ کی تدفین بھی نہیں ہوئی۔ آپ لوگ کیسے اتنی جلدی کڑوی روٹی قبول کرسکتے ہیں اور کھا سکتے ہیں۔ میت تو دفن ہولینے دیتے آپ لوگ۔'' عظمیٰ نے حیرت اور دُکھ سے کہا۔ ناصرہ بی بی تلخی سے بولی۔

''بی بی! طاہرہ تو مرگئی اب میں اُس کے پیچھے ان پانچ بچوں کو تو بھوک سے مرتے نہیں دیکھ سکتی تھی ناں اسی لیے اُن کو کڑوی روٹی کھلا دی اور میت تو وہ اسپتال سے سیدھا جنازہ گاہ یا پھر قبرستان لے جائیں گے۔ اس گھر سے تو طاہرہ کی میت اُٹھ گئی...... ہم نے تو رخصت کردیا اُس کو، اب اُس کی لاش کو دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہیں ہے ہم میں۔ وہ اسپتال سے سیدھی قبرستان جائے گی۔ مولوی صاحب کہہ رہے تھے کہ طاہرہ نے خودکشی کی ہے تو اُس کا نمازِ جنازہ نہیں ہوگا۔''

''کیا؟'' عظمیٰ نے حیرت سے کہا، سلمان احمد کو حیرت نہیں ہوئی تھی ناصرہ کی بات سُن کر جیسے اُس کے لیے یہ سب معمول کی اور معمولی بات ہو۔

''آپ بولو نا مولوی صاحب کو میری لاڈو کا جنازہ تو پڑھا دیں وہ کملی تو مجبوری میں مرگئی، بھوک نے ماردیا اُسے۔'' ناصرہ نے روتے ہوئے کہا تو عظمیٰ، سلمان احمد کی شکل تکنے لگی۔ سلمان احمد نے ناصرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ فکر نہ کریں طاہرہ کی نمازِ جنازہ ضرور ہوگی۔ اُس کی مغفرت کے لیے دعائیں کرنا مت بھول جایئے گا آپ کڑوی روٹی کے چکر میں...... چلو عظمیٰ۔''

''سُنیں جی۔'' ناصرہ نے ہچکچاتے ہوئے اُن دونوں سے کہا۔

''کہو۔'' عظمیٰ بولی۔

''وہ جی...... ہمیں پانچ لاکھ کا چیک کب تک مل جائے گا۔'' ناصرہ نے مدھم آواز میں پوچھا تو عظمیٰ اور سلمان احمد نے ایک دوسرے کو دیکھا سلمان احمد کے لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔ عظمیٰ کو اُس کی آنکھیں یہ کہتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

'کیوں میں نے کہا تھا نا طاہرہ کی موت سے اُس کے گھر والوں کی تو چاندی ہو جائے گی، سو ہو گئی چاندی۔'

''جلد ہی مل جائے گا چیک۔'' سلمان احمد نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور واپسی کے لیے مُڑا۔ عظمیٰ بھی اُس کے پیچھے ہولی۔

''شکر ہے باجی مرگئی ورنہ ہم تو بھوک سے مرجاتے۔'' باورچی خانے کے قریب سے گزرتے ہوئے اُن دونوں کے کانوں میں طاہرہ کی بہن کی آواز پڑی تو وہ تاسف سے ایک دوجے کو تکتے پل بھر کو وہاں رُک گئے۔

''باجی کتنی اچھی تھی نا۔ ہماری روٹی کے لیے مرگئی۔'' طاہرہ کا بارہ سالہ بھائی بولا تھا۔

''ہاں اور اماں بتا رہی تھی کہ ہمیں پیسے بھی ملیں گے باجی کے مرنے پر، پھر ہم روز روٹی کھائیں گے۔'' طاہرہ کا نو سالہ بھائی بولا تھا اب کی بار۔

''ہاں کتنا مزا آئے گا نا اب ہم روز روٹی کھائیں گے۔'' سب سے چھوٹی چھ سالہ طوبیٰ بولی تھی۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ ان لوگوں نے خود ہی طاہرہ کو نہر میں دھکا دیا ہوگا۔ روٹی اور پیسے کے لیے۔'' عظمیٰ نے دکھ اور غصے سے کہا۔

''مجھے بھی یہی لگتا ہے۔'' سلمان احمد نے کہا۔

''تو۔'' عظمیٰ نے بھنویں سکیڑ کر اُسے دیکھا۔

''تو کھانے دو انہیں 'کڑوی روٹی' کیونکہ اگر یہ سچ ہے تو یہ لوگ مرتے دم تک یہی کڑوی روٹی کھائیں گے۔'' سلمان احمد نے سنجیدہ لہجے میں گہری بات کہی تھی۔

''کڑوی روٹی۔'' عظمیٰ نے زیرلب کہا اور اُس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے تاسف سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

''باجی روٹی کھائیں گی۔'' باورچی خانے سے طاہرہ کا بارہ سالہ بھائی ہاتھ میں روٹی لیے باہر نکلا اور اُسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''نہیں تم ہی کھاؤ یہ کڑوی روٹی۔'' عظمیٰ نے درشتی سے اُسے جواب دیا اور سلمان احمد کے ساتھ طاہرہ کے گھر سے باہر نکل آئی تھی مگر اُس کے دماغ میں کئی سوال پھن پھیلائے کسی ناگ کی طرح سر اُٹھا رہے تھے۔

'آخر کڑوی روٹی کے انتظار میں لوگ کب تک اپنے گھر کے افراد کی قربانی دیتے رہیں گے؟'

'جینے کے لیے گھر کے ''جی'' کو موت کے منہ میں دھکیلتے رہیں گے؟'

'کیا زندگی اتنی سستی، بے وقعت اور بے مول، فالتو شے ہے کہ اُسے چند پیسوں کے لیے موت کے حوالے کر دیا جائے؟'

'کیا واقعی خون کے رشتے روٹی اور روپے کے لیے قربان کیے جاسکتے ہیں؟ کڑوی روٹی کے لیے؟' عظمیٰ کے منہ میں حلق تک کڑواہٹ گھل گئی تھی یہ سب سوچ کر اور اُس نے ایک سرد آہ بھری تھی وہ سوائے اس کے اور کر بھی کیا سکتی تھی؟'

☆☆......☆☆